علمدارِ کربلا

اسد العلماء مولانا سید اسد علی صاحب، الہ آباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ عَلٰى اَشْرَفِ الْمُرْسَلِيْنَ وَالسَّلَامُ عَلٰى آلِهِ الطَّاهِرِيْنَ۔

نام ونسب

اسم مبارک عباسؑ ہے جس کے معنی شیر کے ہوتے ہیں۔ یہ نام خود پر ہیبت ہے، کنیت ابوالفضل ہے کیونکہ آپ کے بڑے فرزند کا نام فضل تھا، امیر المومنینؑ کے صاحبزادوں میں صرف آپ ہی کا نام عباسؑ ہے۔

خلافتِ ثالثہ کے دور میں ۲۶ھ میں آپ کا سنہ ولادت ہے، تاریخ ولادت بعض لوگوں نے ۱۳؍رجب بروز پنجشنبہ مدینہ میں اور بعض نے چوتھی شعبان لکھا ہے جو ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ وجود ظاہری کے مقدمات یوں مرتب ہوئے کہ امیر المومنینؑ نے کسی وجہ سے ایک بار اپنے بھائی عقیل سے جو نساب عرب کے عالم تھے فرمائش کی کہ شجاعانِ عرب میں سر برآوردہ خاندان کی کوئی لڑکی بتلایئے میں اس سے شادی کروں، اور اس سے خدا مجھ کو فرزند عطا فرمائے جو بہادر ہو، اور میرے حسینؑ کا کربلا میں مددگار ہو۔ جناب عقیل نے فرمایا کہ ام البنین کلابیہ سے عقد کیجئے کیونکہ ان کے آباؤ اجداد سے بڑھ کر عرب میں کوئی بہادر، شہسوار نہیں ہوا۔

اسی خاندان کے متعلق لبید بن ربیعہ عامری جس کا ایک معلقہ ہے، نعمان بن منذر بادشاہ حیرہ کے دربار میں بہ بانگ دہل اعلان فخر کرتا ہے اور تمام قبائل عرب خاموشی سے سنتے ہیں، کسی کو مجال حرف گیری نہیں ہوتی۔

ان محترمہ کا نام بھی فاطمہ تھا اور ماں کی طرف سے بھی دور تک ان کے سلسلہ نسب کا کتابوں میں محفوظ ہونا نسبی اہمیت کی دلیل ہے، عرب کے بے نظیر بہادر ابوا راء طفیل، عامر بن طفیل اسی خاندان کی فردیں تھیں، ان ہی کے بطن سے چار فرزند ہوئے جن میں قمر بنی ہاشمؑ سب میں بڑے تھے ان کے بعد عبداللہ پھر عثمان اور سب سے چھوٹے جعفر تھے۔

کنیت والقاب

حضرت عباسؑ کے سولہ القاب شمار کئے گئے ہیں جن میں قمر بنی ہاشم، سقا، حاملِ لواء، رئیس عسکر الحسینؑ، صاحب آیۃ الحسینؑ، کا ذکر علامہ مامغانی نے کیا ہے۔ جناب کی کنیت ابوقربہ بھی ہے۔

مدینہ اور کوفہ کا ابتدائی دور

دس سال ابتدا کے مدینہ میں امیر المومنینؑ کے زیر تربیت رہے، اور پھر چار سال کوفہ میں نشیب وفراز دہر سے سبق حاصل کرتے رہے، امامؑ وامت کا باہمی سلوک اچھی طرح دیکھا، رمضان ۴۰ھ میں روحانی دنیا کو حکمراں سے خالی ہوتے دیکھا، پھر چند ماہ کے اندر خلافت الٰہیہ کی جگہ پر دنیاوی شہنشاہیت کو قبضہ جمائے دیکھا، اور اسی طرح دس برس تک امام حسن علیہ السلام کے زیر تربیت رہے اور ۵۰ھ میں امیر شام کے حسبِ منشا باپ کے قائم مقام، بزرگ خاندان بھائی کو پارہائے جگر کی قے کرتے اور جاں بحق تسلیم ہوتے دیکھا، اس کے بعد یہ بھی دیکھا کہ نواسے کو نانا کا پہلو نہیں ملا اور صرف تمنا کے جرم میں جنازہ میں تیر پیوست کردئے گئے۔ یہ سب کچھ ادھر سے دیکھا، اور ادھر سے صبر واستقلال اور اہم موقع کا انتظار، اس کے بعد دیکھا کہ باپ و نانا کے سچے جاں نثاروں کو بے دردی سے شہید کیا گیا،

باپ بھائی کو گالیاں منبروں پر چڑھ کر دی گئیں، اور اس کا سلسلہ برابر جاری ہے، اور حسینؑ خاموش ہیں، مگر ایسی خاموشی جس کے سناٹے میں طوفان کی آمد ہوتی ہے، یہ دس سال بھی گذرے اور ۲۴ سال کی عمر وہ آئی جب ہر حیثیت سے تمام صلاحیتیں کامل ہوگئیں اور ۶۱ھ میں روز عاشور حسینی انتخاب کے لحاظ سے اہم ترین اسلامی جماعت کے علمدار قرار ہوئے۔

اوصاف صوری و معنوی

علامہ مامغانی لکھتے ہیں کہ بہادر، شہسوار، صاحب رعب و جلال، قدآور تھے، دو رکابہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو زمین قدموں سے لپٹی رہتی تھی۔ اماموںؑ کی اولاد میں آپ کا شمار فقہاء کے زمرہ میں ہے۔ عادل وثقہ، پاک و پاکیزہ تھے۔ صادق آل محمدؑ نے آپ کے تعارف میں یہ الفاظ صرف کئے ہیں،''ہمارے چچا عباسؑ ابن علیؑ نورانی دل، یقین محکم والے تھے جنہوں نے اپنے بھائی حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ رہ کر جہاد کیا، نہایت کامیابی کے ساتھ راہ امتحان طے کی اور درجہ شہادت حاصل کیا، اسی طرح امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے چچا عباسؑ پر خدا کی رحمت نازل ہو، بیشک انہوں نے ایثار کیا، مصائب برداشت کئے، اپنے بھائی پر جان قربان کردی، دونوں ہاتھ قطع ہوگئے تو اس کے عوض دو بازو منجانب قدرت ملے جو فرشتوں کے ساتھ پرواز کرنے میں کام آتے ہیں جس طرح جناب جعفر کو ملے، چچا عباسؑ کا پیش خدا وہ درجہ ہے جس پر تمام شہداء بروز جزا رشک کریں گے۔

سقائے سکینہ علیہا السلام کی پہلی خدمت

کربلا کے قیام کے بعد جب پانی بند کردیا گیا اور پیاس کا غلبہ ہوا تو امامؑ نے حضرت عباسؑ کو بلایا، تیس سوار بیس پیادے ساتھ کر کے بیس مشکیں عنایت کیں اور فرمایا جاؤ پانی لاؤ، رات کا وقت ہے پیاسوں کا قافلہ فرزند ساقی کوثر کی رہنمائی میں روانہ ہوتا ہے، فرات پر پہنچتا ہے، عمرو بن حجاج جو وہاں کی حفاظت کے لئے ذمہ دار افسر تھا پوچھتا ہے تم لوگ کون ہو ہلال بن نافع بجلی فرماتے ہیں میں تمہارا ابن عم ہوں پانی کے لئے آیا ہوں جواب آیا شوق سے پیو، مگر یہ جواب ہلال کو نہیں بھایا، ارشاد فرمایا افسوس کی بات ہے تم مجھ کو پانی کی اجازت دیتے ہو اور جوانان جنت کا سردار مع اپنے ہمراہیوں کے پیاس سے جاں بلب ہے، عمرو کا ضمیر تصدیق پر مجبور ہوتا ہے، بھائی سچ کہتے ہو لیکن کیا کریں اس وقت ہم پانی سے روکنے ہی پر مامور ہیں۔

اس ایک لمحہ میں ہلال کار تبلیغ انجام دے چکے، وہ اقرار حق کرچکا، حجت تمام ہوچکی، عمل کا وقت آگیا، بلند آہنگی سے ساتھیوں کو خطاب کیا بہادرو، فرات میں داخل ہوجاؤ عمرو بن حجاج نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی وہ سب بھی لڑنے پر تیار ہوگئے ان حق پرستوں نے یہ کیا کہ کچھ لڑتے رہے اور کچھ پانی بھرتے رہے یہاں تک کہ باوجود شدید معرکہ کے اہل حق میں سے کوئی شہید نہیں ہوا، مشکیں بھر لی گئیں، خیام حسینی تک پہنچا دی گئیں اور عباسؑ کو سقا کا لقب مل گیا۔

پسر سعد سے مکالمہ کے وقت عباس علیہ السلام کی ہمراہی

امامؑ نے پسر سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں لہٰذا آج کی رات اپنی اور میری فوج کے درمیان مجھ سے ملو۔ یہ پیام سن کر پسر سعد بیس ہمراہیوں کو لیکر چلا اور امامؑ بھی اسی قدر ارباب عزم کو لے کر روانہ ہوئے۔ جب ملاقات ہوئی تو امامؑ نے پہلے اپنے ساتھیوں کو علیحدگی کا اشارہ کیا۔ ان حضرات نے تعمیل کی اور صرف جناب عباسؑ اور جناب اکبرؑ رہ گئے۔ اس کے بعد پسر سعد نے بھی اپنے ساتھ والوں کو حکم دیا اور وہ سب بھی پراگندہ ہوگئے صرف اس کا بیٹا اور اس کا غلام رہ گیا۔

اب وہ موقع آگیا کہ امامؑ کار تبلیغ انجام دیں، ارشاد فرمایا ''پسر سعد کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم کو ذرا خوف خدا نہیں، جس کے سامنے تم کو واپس ہو کر جانا ہے، تم مجھ سے لڑنے آئے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں کس کا فرزند ہوں، چھوڑو اس جماعت کو اور میرے ساتھ ہو تو میں تم کو خدا سے قریب تر بنادوں گا۔'' پسر سعد نے دنیاوی فائدوں اور نقصانوں کا ذکر شروع کیا،

جس سے امیر فوج کے زاویہ نگاہ کی ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ بولا میں ڈرتا ہوں کہ میرا مکان گروادیا جائے گا۔ امام نے دنیاوی نقصانات کے تدارک کا وعدہ کرکے بھی اتمام حجت کردی۔ فرمایا میں اس کو ازسرنو بنوا دوں گا۔ دوسری بات کسی کو میری جائیداد ضبطی میں آجائے گی۔ امامؑ نے فرمایا میں تجھ کو اس سے بہتر جائیداد اپنی املاک سے حجاز میں دے دوں گا، تیسرا عذر بیان کیا کہ میں عیال دار ہوں اور ان کے لئے فکرمند ہوں۔ اس کے بعد کچھ اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا اور خاموش ہوجاتا ہے۔ امامؑ اپنا کام کرکے یہ آخری کلمات فرماتے ہوئے واپس ہوتے ہیں کہ تیرا انجام خراب ہے تو جلد اپنے بستر پر ذبح ہوگا اور روز حشر تیری بخشش ناممکن ہے۔ جا بہت کم دن تو عراق کے گیہوں کھا سکے گا۔

وفاء کا مثالی کارنامہ

طبری ناقل ہے کہ عبداللہ ابن ابی المحل بن حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر الوحید جناب ام البنین فاطمہ کلابیہ کا بھتیجا تھا، کوفہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھا، اس وقت جب ابن زیاد کا خط شمر لے کر کربلا روانہ ہورہا تھا، دربار میں حاضر تھا، اس نے پسر زیاد سے کہا کہ ہمارے خاندان کی ایک لڑکی کے فرزند حسینؑ کے ساتھ موجود ہیں، ان کے لئے امان نامہ لکھ دو، خبیث نے منظور کیا اور جناب عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے لئے بے معنی تحریر لکھ دی، عبداللہ بن ابی المحل نے وہ تحریر اپنے ایک غلام کو جس کا نام کزمان تھا دے کر کربلا روانہ کیا کہ صاحبان وفا کی خدمت میں پیش کرے وہ لے کر ان مجاہدین کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ یہ آپ کے ماموزاد بھائی نے امان نامہ لکھوا کر بھیجا ہے۔ چاروں بہادروں نے کہا کہ ہمارے بھائی کو ہمارا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ ہم کو اس امان کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے لئے خدا کی امان پسر زیاد کی امان سے زیادہ کارآمد ہے۔

طبری نے اسی مقام پر ایک اور روایت نقل کی ہے جو بحار میں ہے کہ شمر بن ذی الجوشن وحیدی کلابی بھی اسی خاندان سے تھا، اس نے کربلا آکر پہلا کام یہ کیا کہ حسینی لشکر کے سامنے آیا اور پکار کر کہا ''کہاں ہیں ہماری بہن کے بیٹے!''۔ یہ سن کر حضرت عباسؑ اور ان کے تینوں بھائی سامنے آگئے اور پوچھا کیا کہتے ہو اس نے کہا، ''تم لوگوں کے لئے امان نامہ لایا ہوں۔'' بہادروں نے کہا: ''خدا کی لعنت تجھ پر اور تیری امان پر، ہم کو تو امان ہے اور فرزند رسولؐ کو امان نہیں ہے۔''

بیشک یہ ایسے ہی وفادار تھے جن کو صرف حسینؑ کا اذن جہاد ہی امان نامہ تھا جس کی تحریر میں ان کے خون کی سرخی صرف ہوئی ہو۔

طلب مہلت میں عباس علیہ السلام کی کارگزاری

امامؑ کے اس مکالمہ کا جو شب میں ہوا اتنا اثر ایسے سنگدل پر بھی یہ ہوا کہ اس نے واپس آکر ابن زیاد کو معاملات کے کچھ درست ہونے کے متعلق لکھا اور وہ بھی ایک لمحہ کے لئے ادھر مائل ہوا تھا کہ شمر بن ذی الجوشن نے پھر اس کو ویسا ہی بنادیا جیسا کہ اس کی طینت تھی اور سختی پر تیار کردیا، چنانچہ اس نے سخت تحریر شمر کے ذریعہ اس کو روانہ کی جس کو پڑھ کر پسر سعد نے شمر سے کہا کہ تو نے وہ بات جس کے بن جانے کی امید تھی آخر بگاڑ دی۔

اُس وقت پھر اُس کا پست ضمیر ایک بار حسینؑ کے بلند ضمیر کے سامنے سر جھکا دیتا ہے اور ان کے نفس کی بلندی، ضمیر کی پختگی، اور رائے کے استحکام کی داد دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ حسینؑ کے طریق کار کی، ضد سے تعبیر کرنے والے بے بصیرت افراد دیکھیں کہ دشمنوں کا سردار خود جب سوچتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ انہیں کا نظریہ درست ہے اور ان کے ثبات واستقلال کی (داد) دیتا ہے اور اپنی جماعت کو ضدی اور ہٹی خیال کرتا ہے۔ وہ خود امام کے متعلق فیصلہ کن قطعی الفاظ میں کہتا ہے کہ ''بخدا حسینؑ اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ ان کے پاس ان کے باپ کا نفس محفوظ ہے''۔

اس ایک لمحہ کے بعد پھر طاغوتی پھندے اس کو جکڑ لیتے ہیں اور اقتدار کی طمع اصلی مرکز پر واپس لے آتی ہے، پکار کر کہتا ہے ''اے فوج خدا سوار ہو اور مژدہ بہشت حاصل کرو۔'' دنیا کے کتے عظام دنیا کے لئے دوڑ چلے اور حسینی پروانوں پر حملہ آور ہوگئے۔ جناب عباسؑ نے مولا کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی

''بھیا لشکر آ گیا' حضور اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا ''عباسؑ میرے بھائی تم خود سوار ہو اور ان کے پاس جاؤ، اُن سے پوچھو کہ آخر کیا بات ہے، ان کا کیا ارادہ ہے، اُن کے حملہ کا سبب کیا ہے؟'' جناب عباسؑ بیس سواروں کے ساتھ جن میں حبیب ابن مظاہر، زہیر بن قین تھے تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تمہاری رائے میں کیا تبدیلی ہوئی اور کیا چاہتے ہو؟ اُن لوگوں نے کہا کہ امیر کا حکم آ گیا ہے کہ یا اطاعت قبول کرو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ قمر بنی ہاشم نے فرمایا: ''خیر جلدی کیا ہے توقف کرو۔ میں جا کر مولا کو تمہارے ارادے سے آگاہ کر کے واپس آتا ہوں۔'' وہ لوگ رکے اور بولے: ''اچھا جاؤ اور پھر آ کر ہم کو صورت حال سے باخبر کرو۔'' عباسؑ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے واپس آئے امام کو حالات سے آگاہ کیا۔ حضور نے فرمایا: ''واپس جاؤ اگر ممکن ہو تو ان سے آج کی شب کی مہلت لے لو تا کہ ہم آج کی رات اپنے پروردگار کی خوب عبادت کر لیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم کو نماز و تلاوت، دعا و استغفار سے کس قدر شغف ہے۔'' جناب عباسؑ پھر گھوڑا دوڑاتے واپس گئے اور کہا کہ امام نے ایک شب کی مہلت مانگی ہے، صبح کو دیکھا جائے گا۔ کشمکش کے بعد مہلت ملی اور ان کا ایک آدمی جناب عباسؑ کے ساتھ آیا اور مہلت کی وضاحت کر کے چلا گیا۔

شب عاشور عباس علیہ السلام کا وفادارانہ جواب

جب امامؑ نے اپنی مختصر جماعت کو جمع کر کے خطبہ پڑھا: فرمایا کہ میں خدا کی بہترین حمد بجالاتا ہوں اور ہر حال میں اُس کی ثنا کرتا ہوں۔ پروردگار تیرا شکر کہ تو نے ہم کو نبوت سے سرفراز کیا اور قرآن و دین کا عالم بنایا، دل و دماغ اور گوش حق نیوش عطا کیا، ہم کو شکر گذاروں میں شمار کیا، اس کے بعد میرے خیال میں میرے اصحاب کا مقابلہ صبر و وفا میں کسی کے اصحاب نہیں کر سکتے میرے گھر والوں سے بڑھ کر کسی کے گھر والے کریم النفس نہیں ہیں خدا تم سب کو میری طرف سے بہترین بدلہ عنایت کرے۔

یہ لوگ درحقیقت میرے قتل کے طلبگار ہیں کسی اور سے کوئی خاص مطلب نہیں ہے۔ میں بخوشی تم کو اجازت دیتا ہوں کہ سب کے سب جدھر چاہو چلے جاؤ اور اپنی بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھائے لیتا ہوں۔ کوئی حرج ہے نہ ذمہ داری۔ پردۂ شب میں ہر طرف جا سکتے ہو۔'' تو اس وقت سب سے پہلے جناب عباسؑ نے فرمایا ''ہم کیوں کریں کیا اس لئے کہ حضور کے بعد زندہ رہیں، ہرگز نہیں ایسا روز بد ہم نہ دیکھیں۔'' آپ کے بعد دوسرے اعزاء نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا۔

جناب عباس علیہ السلام کی علمداری

صبح عاشور نمودار ہوئی۔ عباسؑ کی زندگی کا سب سے نمایاں دور شروع ہوا، نماز سے فراغت کے بعد امام نے اپنے چھوٹے سے لشکر کو مرتب کیا۔ میمنہ پر زہیر بن قین، میسرہ پر حبیب ابن مظاہر اور حضرت عباسؑ کو علمداری۔ جس طرح رسولؐ کی رسالت کے ساتھ علیؑ کی ولایت ہے، اسی طرح حسینؑ کے ساتھ عباسؑ ہیں۔ عباسؑ کا علم حسینؑ کے تعزیہ کے ساتھ ہمیشہ رہے گا جو سقائی کے منصب کو یاد دلاتا رہے گا۔ اس سے بڑھ کر عباسؑ کو جعفرؑ کے ساتھ مشابہت حاصل ہے۔ دونوں علمدار تھے، دونوں نے تاحیات علم کی حفاظت کی، دونوں نے اپنے اپنے بھائیوں کی نصرت کی، دونوں نے جان قربان کی، دونوں عالم غربت میں معراج شہادت تک پہنچے، دونوں کے ہاتھ کٹے دونوں کو خدا کے یہاں سے پر عطا ہوئے، دونوں کو طیار لقب ملا۔

میدان جنگ میں عباس علیہ السلام امام کے ہمراہ رہتے تھے

طبری نے لکھا ہے کہ صبح عاشور جب امامؑ نے اتمام حجت کے لئے قرآن ہاتھ میں لیا اور دشمنوں کے سامنے تقریر شروع کی، حضور کی آواز خیمہ میں پہنچی تو رونے کا شور بلند ہوا امامؑ نے فوراً جناب عباسؑ و علی اکبرؑ کو تسلی اہل حرم کے لئے بھیجا۔

عباس علیہ السلام کی بے مثل فداکاری

طبری ناقل ہے کہ عمر بن خالد صیداوی۔ سعد مولی عمر ابن خالد۔ مجمع بن عبداللہ عائدی۔ جنادہ بن حارث سلمانی ان

بہادروں نے یکبارگی فوجِ دشمن پر حملہ کردیا اور لشکر میں گھس کر شمشیر زنی کرنے لگے۔ دشمنوں نے ان بہادروں کو محاصرہ میں لے لیا اور فوجِ امامؑ سے جدا کر دیا، یہ دیکھ کر امامؑ نے حضرت عباسؑ کو مدد کے لئے بھیجا۔ آپ تنہا گئے اور فوج پر حملہ کر دیا، تلوار سے فوج کو منتشر کیا اور زخمی شیروں کو روباہوں کے غول سے نکال کر اپنے مرکز واپس لے چلے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ دشمن کی فوج تعاقب کے لئے نظر آئی اور قریب پہنچ گئی، اصحاب حسینؑ کی شجاعت کا اندازہ کیجئے کہ ان کو قریب دیکھ کر پھر ایسا جوش آ گیا کہ پھر دشمن پر جا پڑے اور جام شہادت پی کر رہے۔ جناب عباسؑ واپس تشریف لائے اور امام سے واقعہ بیان کیا۔

یہ واقعہ بیک وقت امام کے ایثار و اعتماد، عباسؑ کی بے پناہ شجاعت اور فن جنگ میں مہارت اور انصار کے بے پایاں جوش وولولہ کا ثبوت ہے۔

جناب عباس علیہ السلام نے بھائیوں کی قربانی بھی پیش کی

یہ بھائی مثل اولاد کے تھے نوجوان تھے، کوئی اولاد نہیں رکھتے تھے، جناب عباسؑ نے چاہا کہ پہلے یہ قربان ہولیں۔ چنانچہ ان سب میں بڑے عبداللہ تھے، ان کو جناب عباسؑ نے بلایا اور فرمایا کہ آگے بڑھو جہاد کرو۔ یہ پچیس سال کی عمر میں شہید ہو چکے تو عباسؑ نے ان سے چھوٹے عثمان کو بلایا اور کہا اب تم آگے بڑھو۔ تیئس سال کی عمر میں انہوں نے جب شہادت پائی تو عباسؑ نے جعفر کو بلایا اور میدان کا اشارہ کیا یہ لڑے اور اکیس سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ یہ قربانیاں پیش کر کے عباسؑ نے اپنے کارنامہ میں چار چاند لگا دیئے۔

عباس علیہ السلام کی رخصت اور جنگ

جب کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا جو امام کی نصرت میں جہاد کر سکے تو ابوالفضل العباسؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت چاہی۔ امام نے حسرت بھری نگاہ سے دیکھا اور کہا کہ تم تو میرے علمدار ہو، تم چلے گئے تو گویا کچھ نہ رہا۔ جناب عباسؑ نے فرمایا: ”اب مجھ سے تحمل ممکن نہیں، زندگی سے سیر ہو چکا ہوں۔ ان منافقوں سے لڑنا چاہتا ہوں۔“ امام نے فرمایا: ”اچھا بچوں کے لئے کچھ پانی کی فکر کرو۔“ جناب عباسؑ نے مشک لی، نیزہ لے لیا، اور میدان کی طرف چلے، نہر کی راہ صاف کرنے کے لئے دشمن کی فوج پر حملہ کیا۔ وہ چار ہزار فوج جو فرات پر معین تھی، آپ کو گھیر کر تیروں کی بارش کرنے لگی۔ عباسؑ نے ان کے پرے کو پسپا کر دیا اور بعض روایات کی بنا پر اسّی سپاہیوں کو قتل کر کے نہر تک پہنچ گئے۔ خشک مشکیزہ بھرا، پانی سے چلو بھرا اور امامؑ کی پیاس کو یاد کر کے پھینک دیا۔ پیاسے ہی نہر سے نکل آئے اور بھری ہوئی مشک داہنے کاندھے پر رکھ کر خیمہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اتنی دیر میں ہزیمت خوردہ فوج کو سمٹ آنے کا کافی موقع ملا۔ سب نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اُس وقت کے مشکلات کا اندازہ کیجئے کہ دوش پر مشک ہے، علم ہے، جن کے بعد لڑنا یوں ہی ناممکن ہے، لیکن کیا کہنا عباسؑ بن علیؑ کا کہ اس عالم میں جنگ شروع کر دی۔ خود نشیب میں ہیں اور حملہ کرنے والے بلندی پر ہیں، اب حملہ کس قدر آسان ہے اور بچاؤ کتنا دشوار ہے، مگر حملہ کرتے جاتے ہیں اور اشعار پڑھتے جاتے ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ میں موت سے نہیں ڈرتا، کتنے ہی وہ نعرے لگائے، جب تک کہ تلواروں کے سائے میں زمین پر گر نہ جاؤں۔ میں عباسؑ ہوں، مشک لے جاؤں گا، اور لے جا کر رہوں گا۔ میں موقع کارزار میں موت سے ڈرتا کب ہوں۔

علمدار علیہ السلام کی شہادت

اس سے بڑھ کر شکست کا عملی اقرار اور کیا ہوگا کہ انہوں نے ہاتھ قطع کر دیئے یعنی یہ گویا اعلان ہے کہ ان ہاتھوں کی موجودگی میں ہماری کامیابی ناممکن ہے۔ نہایت اہتمام کے ساتھ آڑ سے ہاتھوں کے قطع کرنے کی فکر کی گئی۔ حکیم بن طفیل طائی نے داہنے ہاتھ پر تلوار لگائی، ہاتھ قطع ہو گیا، لیکن مشک وعلم دونوں عباسؑ کو جان سے زیادہ عزیز ہیں، بائیں شانے پر مشک لے لی اور اُسی سے علم کو بھی سنبھال لیا اور شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم لوگوں نے میرا داہنا ہاتھ قطع کر دیا تو کیا ہوا میں دین کی حمایت برابر کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد زید بن ورقاء جہنی

نے بائیں ہاتھ پر تلوار لگائی۔ وہ ہاتھ بھی قطع ہوگیا۔ عباسؑ نے علم کو سینہ سے لگالیا اور مشک بھی ابھی محفوظ ہے جس میں آب اُمید بھرا ہے جو مجاہدہ عباسؑ کی کمائی ہے۔ مجاہد دانتوں کی طاقت سے اُس کی حفاظت کررہا ہے۔ اتنے میں ایک تیر مشک پر لگا جس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ عباسؑ نے خیمہ تک پہنچنے کا خیال دل سے نکال دیا اور عروس شہادت سے جلد ہمکنار ہونے کا شوق دامنگیر ہوا۔ جہاد میں مشغول تھے کہ قبیلۂ بنی تمیم کے ایک شخص نے سر پر ایک گرز لگایا جس سے رہوار پر رک نہ سکے۔ بلند آواز سے پکار کر کہا ''بھائی! میری خبر لیجئے۔'' امام پر اس آواز کا جو اثر ہونا چاہئے تھا ہوا۔ مثلِ باز شکاری کے جھپٹے اور زخمی بھائی کی لاش پر پہنچے۔ دیکھا دونوں ہاتھ قطع ہیں، پیشانی شکستہ ہے، آنکھ پر تیر ہے، زخموں سے چور ہیں۔ امام جھک گئے، سرہانے بیٹھ گئے، یہاں تک کہ شیر دل بھائی نے مفارقت کی۔ اب کوئی نہ تھا جس کا حسینؑ کو سہارا ہوتا۔ وہ بھائی کی لاش سے اٹھے اور آگے بڑھے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ بڑے جوش میں داہنے بائیں حملہ آور ہورہے تھے۔ دشمن سامنے سے بھاگ رہے تھے اور آپ فرمارہے تھے: ''بھاگتے کہاں ہو تم نے میرے بھائی کو تو مار ڈالا۔ بھاگتے کہاں ہو تم نے تو میرا بازو توڑ ڈالا'' اس کے بعد آپ اپنی جگہ آکر بیکسی کا مرقع بن کر کھڑے ہوگئے۔

علامہ مجلسی نے اس موقع پر امامؑ کا یہ دردناک فقرہ نقل کیا ہے جو الفاظ کے لحاظ سے مختصر ہے لیکن معنویت کے لحاظ سے بے پایاں ہے: ''اب میری کمر ٹوٹ گئی اور بیچارگی سامنے آگئی۔'' اس سے مختصر نوحہ ایسے دردناک سانحہ پر نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی انتہائے بیکسی ہے کہ کسی پر نوحہ و ماتم کی مہلت نہیں۔

اولاد

جناب عباسؑ کا عقد لبابہ دختر عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سے ہوا تھا۔ ان سے دو فرزند متولد ہوئے ایک فضل، دوسرے عبداللہ۔ صاحب مناقب نے ایک تیسرے فرزند جن کا نام محمد تھا ذکر کیا ہے بلکہ ان کو شہدائے کربلا کی فہرست میں داخل کیا ہے۔ جیسے عبداللہ بن عباس کو شہدائے کربلا میں شمار کیا گیا ہے۔

واقعات سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ ان صاحبزادگان میں سے کوئی کربلا میں تھا یا نہ تھا۔ صرف عبداللہ کے واقعہ کربلا کے بعد مدینہ میں اپنی دادی ام البنین کے ہمراہ رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔

ماں کا نوحہ فرزندوں کے لئے

علامہ شیخ عباس قمی نے مفاتیح الجنان میں درج فرمایا ہے کہ ام البنین اس واقعہ کی اطلاع پانے کے بعد روزانہ مدینہ کے باہر بقیع کی طرف چلی جاتی تھیں اور فرزند عباسؑ عبداللہ کو ساتھ لے جاتی تھیں اور نہایت دردناک انداز سے روتی اور نوحہ پڑھتی تھیں۔ یہ نوحہ اس قدر پراثر ہوتا تھا کہ جو ادھر سے گذرتا تھا بے اختیار رونے لگتا تھا۔ دوستوں کا رونا مقام تعجب نہیں ہے، مروان بن الحکم کا ایسا دشمنِ خاندانِ رسالت بھی جب اِدھر سے گذرتا تھا تو رو کے جاتا تھا۔ اِن اشعار کا ماحصل یہ ہے کہ ''کہاں ہیں دیکھنے والے میرے شیر عباسؑ کے جنہوں نے اُس کو حملہ کرتے دیکھا ہے اور اس کے پیچھے اور حیدری شیروں کو حملہ کرتے دیکھا ہے۔ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ اس بچے کے سر پر گرز لگا جب کہ اس کے لئے ہاتھوں کا سہارا بھی نہ تھا۔ افسوس میرے شیر تیرے سر کو گرز گرانبار نے نڈھال کردیا۔ اگر تیرے ہاتھ رہ گئے ہوتے اور اس میں تلوار ہوتی تو کون تیرے قریب پھٹکتا۔

ایک دوسرا نوحہ بھی علامہ مذکور نے درج فرمایا ہے۔ یہ نوحہ اس وقت کا کہا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ''ام البنین'' کہہ کر مخاطب کیا اور اس کے معنی ہوتے ہیں ''بچوں کی ماں'' بس یہ سن کر بچے یاد آگئے۔ فرماتی ہیں:

''اب تو مجھے ام البنین نہ کہا کرو۔ اس سے مجھ کو میرے شیر یاد آجاتے ہیں۔ پہلے میرے بچے زندہ تھے اور اُن کی وجہ سے مجھ کو ام البنین کے لفظ سے یاد کرنا موزوں تھا۔ آج تو میں بے پسر ہوں اب یہ لفظ کیسا۔''

وہ چار بیٹے تھے جیسے شکاری باز، جو یکے بعد دیگرے عروس

موت سے ہمکنار ہوئے۔ نیزوں نے اُن کے جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اور سب نیزے کھا کر زمین پر گر چکے۔

''کیا یہ صحیح ہے کہ عباسؑ کے ہاتھ بھی قطع ہو گئے تھے جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے۔''

(۱۸؍جون ۱۹۵۵ء/۱۶؍شوال ۱۳۰۴ھ)

بقیہ۔۔۔۔۔مولانا سید اولاد حسین شاعرؔ لکھنوی

ایک تربت بنی پھر خاکِ شفا سے سرِ دست
زندگی بھر رہا تیمور مئے عشق سے مست
اپنے ہی دعوے سے ہوتی ہے مورّخ کو شکست
کون اس کو کہے ظالم جو ہو مظلوم پرست
چتر کے سائے تھا، تلواروں کے یا سائے تھے
اس طرح ٹھاٹھ سے دلّی میں حسینؑ آئے تھے

چاند بی بی کا جو حال نظم کیا ہے وہ بھی لاجواب ہے۔ میدانِ جنگ میں گھوڑے پہ بیٹھی ہے اور سیاہ نقاب چہرے پر پڑی ہے، شمسی بھائی یہ بند لاجواب پڑھت میں ادا کرتے تھے۔

چاند بی بی قمر برجِ شرف مہر وقار
مَلکی دل، فلکی عزم، ہلالی تلوار
قلعۂ آگرہ تک آتی تھی جس کی جھنکار
قلعہ ٹوٹا نہ مگر ٹوٹ سکا دل کا حصار
کیوں جُھکے فرق کہ باخطِّ جلی لکھا ہے
رہو حد پر کہ سرِ خود علیؑ لکھا ہے

(تیسرا مرثیہ) عنوان: **''مزدور اور اسلام''**

فاقہ کش بھی تھے نبیؐ فاتح و منصور بھی تھے
عزّتِ خاک بھی تھے مطلع والنّور بھی تھے
ان کے گھر دولتِ کونین سے معمور بھی تھے
حق کے محبوب بھی تھے خلق کے مزدور بھی تھے
ہو اشارہ تو قمر شق ہو رسالت ایسی
سنگ خندق سے اٹھائے ہیں مشقّت ایسی

اس مرثیہ میں ۱۷۰ بند ہیں اور اس میں جنگ خندق نظم کی ہے اور آخر میں حضرت علیؑ کی شہادت کا بیان ہے۔ ✡✡✡

بقیہ۔۔۔۔۔مرثیہ مولانا سید صادق حسین عقیلؔ

(۱۳۱)

باتیں ابھی تو کرتے تھے ہے ہے یہ کیا ہوا
اُنگلی اٹھا کے جانب قبلہ یہ کیا پڑھا
ٹپکا پسینہ ماتھے سے تن سرد ہوگیا
کیا جلد میرے احمدؐ ثانی نے کی قضا
آنکھیں بھی بند ہوگئیں منکا بھی ڈھل گیا
میں دیکھتی ہی رہ گئی اور دم نکل گیا

(۱۳۲)

خاموش اے عقیلؔ کہ ٹکڑے ہوا جگر
اب کر یہ رو کے عرض کہ اے شاہؑ بحر و بر
روشن ہے اس غلام کا احوال آپ پر
جاؤں کہاں میں دامن دولت کو چھوڑ کر
مقبول اِس غلام کی یہ التجا کرو
آباد لکھنؤ کو برائے خدا کرو

نوٹ: اس مرثیے کا شروع کا ایک صفحہ غائب ہے جس کی وجہ سے چار بند نہیں مل سکے۔ بیچ کا ایک سو پچیسواں (۱۲۵) بند بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

بقیہ۔۔۔۔۔مسلمانوں کی حقیقی اکثریت۔۔۔

دوسرے کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔ لیکن حسینؑ نے اپنے ساتھ غیر خاندان کی تمام جماعتوں کے بہت سے اصحاب انصار و اعوان کو مثال میں پیش کیا جن کے خیالات و احساسات و جذبات میں حد مشترک سوائے نصرت اسلام کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ حقیقتاً اتنے ہم آہنگ، ہم دل، ہم زبان، ثابت قدم، مستقل پختہ مسلمان دنیا کے سامنے بطور نمونۂ عمل کے نہ واقعہ کربلا کے پہلے کبھی پیش ہوئے نہ واقعہ کربلا کے بعد اور یہ واقعہ کربلا کا وہ پہلو ہے جس کی بنا پر مسلمانوں کو ہمیشہ اس کی یاد تازہ رکھنا چاہئے۔

نوٹ: یہ مضمون امامیہ مشن، لکھنؤ کے محرم ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں، پھر جنوری ۱۹۹۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ (دیکھئے امامیہ مشن سلسلہ اشاعت نمبر ۲۷۳)